© rasailojaraid.com

دوامِ حدیث

بجواب

"مقامِ حدیث"

(۲)

(از افادات استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہم العالی شیخ الجامعۃ السلفیۃ لائلپور)

شرعی دلیل یہاں تک دلیل منطقی کا بیان تھا۔ اب شرعی دلیل اور اس سے متعلقہ مباحث پر قدرے گفتگو کی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ شرعی دلیل کے دو پہلو ہیں: ثبوت[۱] کا اور دلالت[۲] کا۔

دلیل بہ لحاظ ثبوت دو قسم پر ہے، متواتر، غیر متواتر۔ متواتر قطعی ہوتی ہے اور غیر متواتر ظنی۔

قطعیت خبر واحد کی صورتیں لیکن قرائن کی بنا پر بعض وقت خبرِ واحد بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے یا جس خبرِ واحد پر اُمت کا اجماع ہو جائے یا جس خبرِ واحد کی صحت پر اہل فن متفق ہو جائیں۔

خبرِ واحد کی یہ تین قسمیں تو یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور باقی اقسام ظنی ہوتے ہیں۔

بہ اعتبار دلالت شرعی دلیل کا دُوسرا پہلو اس کی دلالت کا ہے یعنی اس دلیل سے جو مفہوم سمجھا جاتا ہے کیا یقیناً وہی مراد ہے یا نہیں۔ معتزلہ اور اکثر اشعری اس طرف گئے ہیں کہ دلیل سمعی سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ یقین کے لئے ضروری ہے کہ:۔

(الف) جو الفاظ منقول ہیں ان کے متعلق یہ علم ہو کہ وہ انہی معانی کے لئے موضوع ہیں جو ہم سمجھتے ہیں — اور اس کے لئے لُغت سے نقل کی ضرورت ہوگی نحو و صرف کے قواعد و مسائل کا نقل کرنا ہوگا لیکن یہ امور بھی عام طور پر خبر احاد سے حاصل ہوتے ہیں۔ رہے ان کے فروع تو ان کو انہی پر قیاس کیا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ خبرِ واحد اور قیاس، سو یہ دونوں اصلاً ظنی ہیں

(ب) یہ بھی علم ہونا چاہیئے کہ متکلم نے یہی معنی مراد لئے ہیں ——— مگر یہ علم مندرجہ ذیل باتوں پر موقوف ہے:۔

ہامش: ...جس کا (ہاتھ سے لکھا ہوا حاشیہ، ناخواندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) یہ الفاظ پہلے معانی سے دوسرے معانی کی طرف منتقل نہ ہوئے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا استعمال اور معانی میں ہوتا ہو۔ بعد میں دوسرے معانی کی طرف منتقل ہو گئے ہوں اور اہل لغت نے بعد کے معانی کو نقل کر دیا ہو۔

(۲) یہ الفاظ مذکورہ معانی اور دیگر معانی میں مشترک نہ ہوں۔ اشتراک کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دوسرے معانی مراد ہوں۔

(۳) یہ الفاظ مجازی معنی میں مستعمل نہ ہوں کیونکہ مجازی معنی کے استعمال کی صورت میں حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔

(۴) یہاں کوئی لفظ مقدر نہ ہو کیونکہ مقدر ہونے کی صورت میں معنے بدل جاتا ہے۔

(۵) تخصیص نہ ہو کیونکہ تخصیص کی صورت میں بعض معنیٰ مراد ہوتا ہے کل نہیں۔

(۶) تقدیم و تاخیر نہ ہو کیونکہ تقدیم و تاخیر کی صورت میں بھی معنے میں فرق پڑ جاتا ہے ——— یاد رہے کہ امور مذکورہ کی نفی یقینی نہیں بلکہ ظنّی ہے۔

(۷) پھر ان سب باتوں کے بعد اس امر کا بھی علم ہونا چاہیئے کہ یہاں کوئی عقلی دلیل اس معنے کے خلاف نہیں کیونکہ عقلی دلیل کے معارض ہونے کی صورت میں عقلی دلیل نقلی پر مقدّم ہو گی۔ کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ اگر نقل کو عقل پر مقدّم کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اصل (عقلی دلیل) فرع (نقلی دلیل) سے باطل ہو جائے۔ کیونکہ عقل اصل ہے اور نقل فرع، جب اصل باطل ہوا تو اس کی فرع بھی باطل ہوئی۔ پھر معارض عقل کا ہونا بھی یقینی امر نہیں۔ کیونکہ عدم سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں بھی معدوم ہو پس جب یہ بات متحقّق ہو گئی کہ نقلی ادلّہ کی دلالت ان امور ظنّیہ پر موقوف ہے تو ثابت ہوا کہ ادلّہ نقلیہ کی دلالت ظنّی ہے۔ کیونکہ فرع اصل سے بڑھ نہیں سکتی۔ یہ ہیں متمسکات معتزلہ وغیرہ کے جو کہتے ہیں کہ دلیل سمعی (نقلی) سے یقین حاصل نہیں ہوتا! ——— ۔

دوسرے فریق کا یہ مذہب ہے کہ ادلّہ نقلیہ (قرآن۔ حدیث) سے یقین حاصل ہوتا ہے[1]۔ لیکن اس یقین کی بنا قرائن پر ہوتی ہے جو مشاہدہ میں آتے ہیں یا متواتر ہوتے ہیں۔ ان قرائن سے مذکورہ

[1] یہ مسلک اہلحدیث کا ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے الصواعق المرسلہ (ص ۳۵۵ ج ۲ طبع مکہ مکرمہ) میں احادیث کے مفید یقین ہونے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ایسی صاف و مدلّل کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیا۔ فللہ درہ ما اعمق نظرہ (رحیق)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احتمالات کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہ بات درست سہی کہ عقلیات کے بارے میں نقلیات سے یقین حاصل ہونا یقینی نہیں لیکن جن لوگوں نے دلائل نقلیہ سے یقین کا حصول تسلیم کیا ہے وہ اس کی بنا قرائن پر رکھتے ہیں خواہ وہ قرائن مشاہدہ میں آئیں یا روایت سے ثابت ہوں اور دلائل نقلیہ کا افادہ روایت پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر وہ قرائن روایت سے ہی نقل ہوتے ہیں اور روایت متواتر ہوتی ہے۔ پس ادلّہ نقلیہ سے یقین کا حاصل ہونا ممکن ہے۔

خبرِ رسولؐ کی بحث "خبرِ رسول" (یعنی قرآن وحدیث) یقین کا فائدہ دیتے ہیں یا نہیں۔ منطقی اس کا نفی میں جواب دیتے اور اس کو ظنّی کہتے ہیں اور شروع میں ذکر کی گئی اقسام میں سے "خبرِ رسول" (قرآن وحدیث) کو مقبولات میں داخل کرتے ہیں لیکن متکلمین کے نزدیک اس سے یقین حاصل ہو سکتا ہے مگر یہ یقین استدلالی ہے بدیہی نہیں۔

واضح ہو کہ "خبرِ رسول" پر تین اعتبار سے بحث ہوتی ہے۔ ایکؔ اس کے ثبوت کے متعلق کہ یہ واقعی خبرِ رسول ہے۔ اس لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں۔ متواتر یا جو بلا واسطہ سُنی گئی ہو یا کسی قطعی واسطہ سے اس کا علم ہوا ہو۔ ایسی خبر کو ثبوت کے اعتبار سے یقینی کہتے ہیں۔ دوسری وہ جو صرف خبرِ واحد کے واسطہ سے بدوں ایسے قرینے کے آئی ہو جس سے یقین پیدا ہوتا ہے اس کو ظنّی کہتے ہیں۔

دومؔ۔ اس کی دلالت کے متعلق۔ اس میں صحیح بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں کی دلالت کبھی یقینی ہوتی ہے اور کبھی ظنّی۔ دلالت کے لحاظ سے قرآن مجید وحدیث شریف میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن کی دلالت بھی کبھی ظنّی ہوتی ہے، اور کبھی یقینی۔ اسی امر کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر اشعری اور معتزلہ قرآن وحدیث کی دلالت کو ظنّی کہتے ہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ ان سے یقین آسکتا ہے۔

سومؔ اس امر کے متعلق کہ اس کا مضمون نفس الامر کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس میں منطقیوں اور متکلّمین کا اختلاف ہے۔ منطقی اس کو ظنّی کہتے ہیں اور متکلّمین یقینی کہتے ہیں۔ اس میں بھی قرآن وحدیث دونوں برابر ہیں۔

قرآن مجید بلحاظ ثبوت متواتر ہونے کی وجہ سے قرآن مجید بلحاظ ثبوت بلا شبہ یقینی ہے، مگر اس کے قرآن ہونے کے لئے تواتر لازمی امر نہیں یعنی نفس الامر میں اگرچہ قرآن متواتر ہے مگر کسی شخص کے نزدیک کسی آیت یا سورت کے قرآن ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ تواتر سے اس کو پہنچے بلکہ ایک معتبر

لہ یاد رہے کہ اس میں قرآن مجید اور ملائکہ کی خبر بھی داخل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبر سے بھی قرآن ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے سُنا اس وقت بھی وہ قرآن تھا جب جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا اس وقت بھی قرآن تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب پر پڑھا اس وقت بھی قرآن تھا۔ جب ایک شخص نے آپ سے سُنا پھر آگے نقل کیا اس وقت بھی وہ قرآن تھا۔ اسی طرح اگر ایک اندھا شخص کسی اور حافظ سے قرآن یاد کرے، اُس نے کسی اور سے نہ سُنا ہو تو پھر بھی وہ قرآن ہو گا۔ پھر اگر کوئی شخص مصحف سے قرآن پڑھے اور قرآن میں کاتب کی غلطی سے بچنے کے لئے ایک حافظ پر اعتماد کر کے زیر و زبر، شدّ و مدّ کو قرآن سمجھے تو ایسا کرنا صحیح ہے۔ یہ سب امور خبر واحد سے ثابت ہیں مگر پھر بھی قرآن ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ قرآن کے قرآن ہونے کے لئے تواتر لازمی نہیں بلکہ خبرِ واحد سے بھی قرآن ثابت ہو سکتا ہے۔ پس اس حیثیت سے وہ ظنّی ہو گا (اگر یہ باور کر لیا جائے کہ ہر خبر واحد ظنّی ہوتی ہے)

حدیث بلحاظ ثبوت یاد رہے کہ دین سے متعلق احادیث کا اکثر حصّہ متواتر ہے۔ پھر تواتر کی دو قسمیں ہیں: تواتر عملی یعنی ایسا کام جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک ہر زمانے کے لوگ اس کثرت سے عمل کرتے آئے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے۔ جیسے اذان، اقامت، پانچ نمازیں، ان کی رکعات اور ہر رکعت کی ترکیب: پہلے قیام، پھر رکوع، پھر قومہ، پھر دو سجدے، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) قیام میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا، رکوع اور سجدہ میں تسبیحات کا کہنا، ہر رکن سے دوسرے رُکن کی طرف منتقل ہوتے وقت اللہ اکبر کہنا، مگر رکوع سے سر اُٹھاتے وقت سَمِعَ اللہُ لِمَن حَمِدَہٗ پڑھنا۔ ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا، نماز کی ابتدا تکبیر تحریمہ سے اور انتہا السلام علیکم سے کرنا۔ یہ سب باتیں عملی تواتر سے ثابت ہیں۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں سُنّی، شیعہ، خارجی، بریلوی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہلحدیث سب ان کے قائل اور ان پر عامل ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ امور مذکورہ کا تواتر قرآن مجید کے تواتر سے بھی بڑھ کر ہے تو حق بجانب ہو گا۔ کیونکہ قرآن مجید کے ناقل حافظ اور کاتب ہیں اور جن باتوں کا ذکر ہُوا ہے ان کے ناقل نمازی ہیں اور ظاہر ہے کہ نمازیوں کی تعداد ہمیشہ حافظوں اور کاتبوں سے زیادہ رہی ہے۔

یہی حال زکوٰۃ کا ہے کہ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ (۵۲½) اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ (۷½) ہے اور دونوں سے چالیسواں حصّہ نکالا جاتا ہے۔ شروع سے اس پر عمل چلا آ رہا ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کسی قسم کا اختلاف نہیں[1]۔ ابتداءً تو حکومت کے زیرِ سایہ یہ کام ہوتا رہا، اس کا تواتر بھی قرآن کے تواتر سے زیادہ ہے۔ یہی حال حج کا ہے۔ اس میں احرام کی موجودہ کیفیت، مرد سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے، صرف دو چادریں پہنے، ایک کا ازار بنا لے اور دوسری اُوپر اوڑھے۔ مگر سر ننگا رکھے، خوشبو نہ لگائے۔ میقات سے حج یا عمرہ کی نیّت کر کے لبّیک کہتا ہوا بیت اللہ کو جائے، وہاں جا کر اگر عمرہ کرنا ہو تو بیت اللہ کا طواف حجرِ اسود سے شروع کرے۔ دروازے کی طرف سے پھرتا ہوا سات چکر لگائے۔ پھر صفا اور مروہ کے درمیان سات بار چکر لگائے۔ پھر احرام کھول دے۔ یہ باتیں اس قسم کی ہیں کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ تواتر سے ثابت ہیں۔ ان کے نقل اور ان پر عمل کرنے والے قرآن کے نقل کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح وضو میں کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈال کر نکالنا۔ کان کا مسح کرنا عملی تواتر سے ثابت ہے بہت سے خرید و فروخت کے مسئلے جن پر ائمہ کا اتّفاق ہے۔ ان پر شروع سے اُمّت عمل کرتی آئی ہے اور اب تک ان کا عمل اور اعتقاد دینی یہی ہے یہ سب مسائل متواتر ہیں۔ اسی طرح بہت سے اخلاقی مسائل عملی تواتر سے ثابت ہیں۔ مثلاً ملاقات کے وقت سلام کہنا، اور کبھی کبھی مصافحہ کرنا۔ جمعہ کے دن غسل کرنا میت کو قبلہ رُو دفن کرنا۔ عیدین میں باہر جا کر دو رکعتیں پڑھنا یہ سب کام عملی تواتر سے ثابت ہیں۔ یا مثلاً نکاح میں ایجاب قبول کرنا، ولی کا ہونا۔ کم از کم دو گواہوں کا ہونا یہ سب باتیں تواتر سے چلی آ رہی ہیں۔

دوسری قسم کی وہ باتیں ہیں جو روایت سے متواتر ہیں۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں: لفظوں[1] میں متواتر اور معنی[2] میں متواتر۔ اوّل الذکر میں اگر راویوں کی صفات کا لحاظ نہ رکھا جائے صرف گنتی کو دیکھ کر تواتر کا حکم لگایا جائے تو ان کی مثال کم ہے۔ اگر صرف گنتی کو نہ دیکھا جائے بلکہ راویوں کی صفات کو بھی ملحوظ رکھ کر حکم لگایا جائے تو اس صورت میں متواتر حدیثوں کی گنتی بہت زیادہ ہو جاتی ہے جیسے حافظ ابنِ حجر نے شرح نخبہ میں اس کی تصریح کی ہے اور فتح الباری میں اس کی مثالیں دی ہیں۔ پھر جو حدیثیں معناً متواتر ہیں ان کی مثالیں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج خرید و فروخت، نکاح اور غزوات کے ان مسائل میں جو اتّفاقی ہیں بہت پائی جاتی ہیں۔ پس اس قسم کی سب حدیثیں یقینی ہیں۔

ان کے بعد ان احادیث کا درجہ ہے جو مستفیض ہیں مستفیض سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن کو کم از کم تین

[1] مگر اب ادارہ ثقافت اسلامیہ اور ادارہ طلوع اسلام لاہور اس[؟] کی مخالفت کے درپے ہیں۔ (رحیق)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابہ سے روایت کیا گیا ہو۔ ان کے بعد ہر قرن میں راوی بڑھتے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ مصنّفین نے ان کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔ ایسی حدیثیں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ فقہ کے اصلی مسائل کی بُنیاد ان ہی پر ہے۔

ان کے بعد ان حدیثوں کا درجہ ہے جن کو مصنّفین نے صحیح یا حسن کہا ہے۔ پھر وہ حدیثیں ہیں جن میں اختلاف ہے۔

ہاں وہ غیر متواتر احادیث جن پر اجماع ہو چکا ہے یا اجماعاً صحیح ہیں وہ سب یقینی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید بلحاظ دلالت قرآن مجید کو اگر تعامل اور روایت کے بغیر صرف لُغت و قواعد سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بعض وقت اس کی دلالت ظنّی یا وہمی پر عمل کرنا پڑے گا یا ایسی چیز کا قائل ہونا پڑے گا جو اجماع کے خلاف ہونے کے باوجود ظاہر عقل کے بھی خلاف ہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

پہلی مثال قرآن مجید میں محرّمات کی فہرست میں پہلا نمبر اُمّہات کا رکھا ہے۔ اُمّہات ام کی جمع ہے۔ ام لُغت میں حقیقتاً والدہ کو کہتے ہیں اور مجازاً نانی، دادی اور اُوپر کے سب سلسلہ کی عورتوں کو کہہ دیتے ہیں اور عموم مجاز کی صورت میں والدہ اور نانی اور دادی وغیرہ سب کو کہتے ہیں۔

(ب) اگر تفسیر صرف لُغت سے ہی کی جائے تو اس تفسیر کے ظنّی ہونے کے علاوہ دادی اور نانی حلال بنیں گی ـــــ حالانکہ اجماعاً یہ حرام ہیں۔ اور اگر مجازی معنے یا عموم مجاز میں سب کو شامل کر لیا جائے، تو اُمّہات کی دلالت ان پر ظنّی بلکہ وہمی ہوگی۔ کیونکہ بدوں قرینہ مجازی معنے مراد لینا منع ہوتا ہے۔

دُوسری مثال لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ... الاٰیۃ (النسآء) "اپنے آباء (باپوں) کی منکوحات سے نکاح نہ کرو"

اس آیت میں لفظ آباء "اب" کی جمع ہے۔ "اب" لُغت میں حقیقتاً والد کو کہتے ہیں اور مجازاً دادا اور نانا کو بھی کہہ دیتے ہیں اور عموم مجاز کے اعتبار سے والد اور دادا و نانا سب کو کہہ دیتے ہیں پہلی لغت کا ایک اور قاعدہ بھی ہے کہ جب جمع کی نسبت جمع کی طرف ہو تو اس وقت پہلی جمع سے ایک ایک فرد کی نسبت دوسری جمع کے ایک ایک فرد کی طرف ہوئی پس اس قاعدے کی رُو سے بھی آباؤکم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو دو جمع ہیں ایک "آباء" (باپ) دوسری "کُم" (تم) ان سے ہر ایک مخاطب کا ایک ایک باپ ہی مراد ہو سکتا ہے مگر اُمّت کا اجماع ہے کہ یہاں آباء کا لفظ والد اور دادا و نانا سب کو شامل ہے پس اگر حدیث اور تعامل کو چھوڑ کر قرآن کریم کی تفسیر محض قواعد اور لُغت سے کی جائے تو پھر باداد و نانا کی منکوحہ کو حلال کہنا پڑیگا یا دلالت ظنّی بلکہ وہمی پر عمل کرنا پڑے گا۔

تیسری مثال "بنَاتُکُمْ" | حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ... الآیۃ : "تم پر تمہاری مائیں اور لڑکیاں حرام کردی گئی ہیں"۔

یہاں "بنات" سے بحث ہے۔ بنات جمع ہے بنت کی۔ بنت کا حقیقی معنٰی ہے "لڑکی" اور مجازاً پوتی، نواسی کو بھی کہہ دیتے ہیں اور عموم مجاز کی صُورت میں دونوں پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر تعامل اور سُنّت سے اس کا مطلب سمجھا جائے تو اس صورت سے لڑکیوں، پوتیوں، نواسیوں سب کے ساتھ نکاح کی حرمت ثابت ہوگی۔ اگر محض لُغت اور قواعد سے اس کا مطلب لیا جائے تو پھر یا پوتیوں اور نواسیوں سے نکاح کرنا (معاذ اللہ) حلال ماننا پڑے گا یا قرآن کی "ظنّی دلالت" بلکہ "وہمی دلالت" پر عمل کرنا پڑے گا۔ پس معلوم ہُوا کہ "روایت" کے بغیر قرآن مجید سے ہر جگہ یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ "ظن" اور "وہم" حاصل ہوتا ہے۔

چوتھی مثال "عمّاتُکُمْ" | "تمہاری پھوپھیاں تم پر حرام کی گئی ہیں"۔

عمّات جمع ہے عمّہ کی۔ عمّہ لغت میں پھُوپھی کو کہتے ہیں۔ مجازاً باپ دادا اور نانا پھوپھی کو بھی کہہ دیتے ہیں اور عموم مجاز کے اعتبار سے سب پر اطلاق ہوتا ہے یعنی اپنی پھوپھی اور سب اصول کی پھوپھیوں کو شامل ہے۔ اسی پر تعامل ہے مگر محض لُغت کی مدد سے صرف اپنی پھوپھی حرام ٹھہرے گی۔ اور باقی کے متعلّق دلالت ظنّی بلکہ وہمی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ لُغت کی طرف رجُوع کرنے سے جو معنٰے متعیّن ہوگا وہ بھی ظنّی ہوگا۔ کیونکہ لُغت کا بہت سا حصّہ اصمعی اور خلیل وغیرہ نے شعر اور امثال عرب سے ہی لیا ہے[1]۔ اور یہ سب "اخبار احاد" سے منقول ہے اور معانی کی تعیین میں بعض جگہ قیاس سے بھی

[1] حافظ ابن القیمؒ نے ایک جگہ لُغت کی اسنادی حیثیت پر بڑی عمدہ بحث کی ہے جس کا کچھ حصّہ یہاں نقل کرنا بصیرت افروز ہوگا۔ لکھتے ہیں :- الدرجة الثانية ان يسمع اللغة ممن نقل الالفاظ عن العرب نظمًا ونثرًا وكل مايعري نقل الحديث من الآفات فهو هنا أكثر وهذا امر معلوم لمن كان خبيرًا بالواقع فيرد على نقل اللغة ومعرفة مراد المتكلم من الفاظها اكثر مما يرد على نقل الحديث ومعرفة مراد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

کام لیا ہے، اور یہ امور ظنّی ہیں۔

پانچویں مثال خالاتکم | "تمہاری خالائیں تم پر حرام ہیں۔"

خالات جمع ہے خالہ کی۔ خالہ لُغت میں والدہ کی ہمشیرہ کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ حقیقی معنی ہے مجازاً والدہ، والد، دادا، دادی اور نانی کی خالاؤں کو بھی خالہ کہہ دیتے ہیں اور عموم مجاز کے لحاظ سے سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ اور تعامل اور روایت سے اسی کو سمجھا گیا ہے۔ اگر تعامل سے قطع نظر کر کے صرف قواعد اور لُغت کی مدد سے قرآن کی تفسیر کی جائے تو "ظنی" معنے بلکہ "وہمی" مراد لینا پڑے گا یا صرف اپنی خالہ کو حرام کہنا پڑے گا۔ باقی سب کو حلال۔

چھٹی اور ساتویں مثال۔ بَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ | "بھائی اور ہمشیرہ کی لڑکیاں (تم پر حرام کی گئی ہیں)"

ان دونوں مثالوں میں بھی سابق تقریر جاری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بھائی کی لڑکی اور ہمشیرہ کی لڑکی

(بقیہ بر صفحہ ۲۳۲)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) الرسول به الخ (الدرجة الثالثة) ان يسمع اللغة ممن سمع الالفاظ و ذكروا انهم فهم معناها من العرب كالاصمعي و ابن الاعرابي و ابي عمرو بن العلا ونحوهم ممن سمع الاعراب ومن هذا الباب كتب اللغة التى يذكرون فيها معانى كلام العرب ومعلوم ان هذا ايرد عليه اكثر مما يرد على من سمع الكلام النبوى من صاحبه (الدرجة الرابعة) ان ينقل اليه كلام هولاء الذين ذكروا انهم سمعوا كلام العرب ومن المعلوم انه يرد على هذا من الاسئلة اكثر مما يرد على نقل الحديث ومعناه (الدرجة الخامسة) ان اللغة بقياس نحوى او تصريفي يعنى قد يدخله تخصيص لمعارض راجح وقد يكون فيه فرق لم يتفطن له واصح القياس القانونى ومعلوم ان الذى يرد على هذا اكثر من الذى يرد على من ذكر قبله اھ (الصواعق المرسلة ص ۳۴۴ ج ۲) خلاصہ یہ ہے کہ:

"جن راہوں اور سندوں سے لُغت عربی نقل ہو کر آئی ہے وہ بھی اصلاً "خبر واحد" ہیں۔ ان کے نقل میں بھی حافظے اور فہم پر ہی دارومدار ہے۔ الفاظ کیسے یاد رہے؟ روایت بالمعنٰی ہے یا باللفظ؟ بالمعنی ہے تو فہم راوی کی پوزیشن کیا ہے؟ یعنی وہ سارے ہی اعتراضات لُغتِ عربی پر وارد ہو سکتے ہیں جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے جا رہے ہیں پھر حدیثوں کو ترک کر کے مجرد لغت عربی پر اعتماد کی وجہ کیا ہے؟ (رحیق)

© rasailojaraid.com